اقبال اور معاشرے کی تعمیر نو

ڈاکٹر محمد ریاض

اقبال نے کوئی اکسٹھ برس کی عمر پائی اور اس کا معتبد بہ حصہ انہوں نے عالمی اور اسلامی معاشرے کی اصلاح اور تعمیر نو کی خاطر وقف کر دیا۔ وہ بے شک ایک عظیم فلسفی اور شاعر تھے مگر ان کی مصلحانہ شن کو ان کے پیغام سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اپنی پہلی ''مثنوی اسرار خودی'' میں اقبال نے اپنی مصلحانہ حیثیت کے بارے میں نہایت خوش اسلوبی سے بتا دیا کہ ان کا کام انسانی معاشرے کو عام طور پر اور اسلام معاشرے کو خاص طور پر خطاب کرنا ہے:

بہر انسان چشم من شبہا گریست
تا در یدم پردہ اسرار زیست
من کہ ایں شب را چو مہ آراستم
گرد پای ملت بیف ستم

ہم یہاں اقبال کے پیغام کو اسلامی معاشرے کی اصلاح تک محدود رکھیں گے اور یہ اسلامی معاشرہ وہ ہے جو اقبال کا مخاطب اول تھا۔ ہماری مراد برصغیر کے مسلمانوں کے معاشرے سے ہے اقبال نے جسے مسلمان معاشرے سے خطاب کیا وہ غلامی کی زنجیروں سے جکڑا ہوا تھا۔ اقبال نے نغمات نے آزادی کی تڑپ کو تیز تر کر دیا اور چند ہی برسوں میں شاعر کی یہ پیشن گوئی پوری ہو گئی کہ:

آملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک

بزم گل کی ہم نفسی باد صبا ہو جائے گی
شبنم افشانی مری پیدا کرے گی سوز و ساز
اس چمن کی ہر کلی درد آشنا ہو جائے گی

درس آزادی کو بار آور ہوتے دیکھ کر اقبال نے مسلمانوں کو ایک نئے وطن کی تاسیس وتشکیل کا تصور دیا۔ ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں آپ نے جو خطبہ صدارت پیش کیا وہ نظریہ پاکستان کی اساس بنا اور اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس میں آپ نے مسلمانوں کو ایک ممتاز معاشرہ بنانے کا مشورہ دیا آپ کا ارشاد تھا: اگر ہم چاہتے ہیں کہ برصغیر میں اسلام ایک زبردست تمدن باقی رہے تو اسکے لیے ضروری ہے کہ وہ مسلمانوں کی اکثریت والے علاقوں میں اپنی مرکزیت قائم کر سکے' اور یہاں کے مسلمان ان کے معاشرے کی صورت میں جلوہ گر ہوں۔ آپ عال تصور میں اس معاشرے سے خطاب کر رہے تھے یہ معاشرہ جو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے طور پر حکمرانوں کا معتوب اور ہندو اکثریت کے تعصّبات کا نشانہ تھا اور اسے بالعموم تن آسانی قناعت اور تن بہ تقدیر اپنا مسلک بنا رکھا تھا اور افتراق ونفاق کی روش پر چل رہا تھا۔ اور نتیجہ ظاہر تھا اقبال نے اپنے معجز نظام کلام کے ذریعے ان خرابیوں کو دور کرنے کی خاطر سارا زور قلم صرف کر دیا۔

اقبال نے اپنے پیغام کا تانابانا اسلامی تعلیمات کے ذریعے ہی تیار کیا مگر اس میں ایسی اجتہادی شان اور جزالت فکر سے کام لیا کہ طبائع نے اسے پند ونصائح نہ

جانا اور سنجیدگی سے توجہ دی۔ کوئی دو سال قبل ایران کے شہر مشہد میں اقبال کے بارے میں ایک فکر انگیز کتاب ''دانائے راز'' کے عنوان سے چھپی ہے۔ اس کے مصنف پروفیسر احمد احمدی برجندی ہیں۔ کتاب کے دیباچے میں مشہد یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر غلام حسین یوسفی نے اقبال کی فکری جولانیوں اور جست آفرینیوں کے بارے میں بڑی دل لگتی باتیں لکھی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: اقبال مشرق و مغرب میں ایک منفرد شخصیت کے حامل ہیں وہ نہ خشک واعظ ہیں اور نہ کھوکھلے فلسفی مولانا رومی کے ساتھ غیر معمولی عقیدت اور ارادت رکھنے کے باوجود اقبال کی دنیا ہی دوسری ہے۔ اسلامی تعلیمات کو فارسی اور دیگر زبانوں کے شعرا نے اپنے اشعار میں افراط سے سمویا ہے مگر اقبال اس معاملے میں از اول تا آخر منفرد ہے۔ آپ نے اسلامی حقائق اور معارف کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ وہ ان کے عمیق تدبر اور بلند اجتہادی فکر کے مبرھن ہیں'' (۲) ہم ذرا آگے چل کر اسلامی تعلیمات کے بارے میں اقبال کے ایک اجتہادی نظریے کا ذکر کریں گے۔

بہر حال اقبال کا مخاطب مسلمان معاشرہ غلامی اور پسماندگی کے علاوہ اختراق اور پراگندگی کا شکار تھا۔ وہ جانتے تھے کہ جب تک مسلمان متحد و متفق نہ ہوں وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ اسی خاطر انہوں نے اتحاد و یگانگت کے درس کو نہایت تنوع اور بصیرت سے پیش کیا ہے۔ اس ضمن میں اپنے اسلام کی اساس اول ''توحید'' کو عملی طور پر اپنانے پر زور دیا ہے۔ نظری حیثیت سے توحید کا مفہوم یہ ہے کہ ایک خدا کی ذات اور اس کی جملہ صفات پر ایمان رکھا جائے۔ توحید ہی نے انسانوں کو باطل

کے آگے سر جھکانے سے باز رکھا ہے اور ہر دور میں اشرف المخلوقات کو اس کا مقام یاد دلایا۔ اقبال نے جس طرح اسلا کے تمام ظاہرہ شعائر پر لکھا اسی طرح توحید کے اس مفہوم پر بھی مگر آپ نے اسلام کے اساس اول کے عملی پہلو پر زیادہ زور دیا ہے۔ عملی پہلو یہ ہے کہ دعویداران توحید میں ملکی اور بین الاقوامی سطح پر کامل یگانگت اتحاد اور فکر و عمل کی وحدت کارفرما ہو۔ اختراق و نفاق اقبال کی نظر میں دعویٰ توحید کے منافی ہے۔ مثنوی اسرار و رموز (۳) میں فرماتے ہیں:

اسود از توحید احمر می شود
خویش فاروق و ابوذر می شود

ملت از یک رنگیٔ دلہا ستی
روشن از یک جلوہ این سینا ستی

قوم را اندیشہ ھا باید یکی
در ضمیرش مدعا باید یکی

جذبہ باید در سرشت او یکی
ہم عیار خوب و زشت او یکی

گر نباشد سوز حق در ساز فکر
نیست ممکن این چنیں انداز فکر

آپ نے علماء اور متکلمین سے خطاب فرمایا ہے کہ انہوں نے توحید کے اس وسیع مفہوم سے چشم پوشی کی ہے اور اس طرح مسلمانوں کو فکر و عمل کی وحدت کے عظیم

سرچشمے سے محروم کرر کھا ہے فرماتے ہیں:

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی
آج کیا ہے ؟ فقط ایک مسئلہ علم کلام
روشن اس کی ضو سے اگر ظلمت کردار نہ ہو
خود مسلمان سے ہے پوشیدہ مسلماں کا مقام
میں نے اے میر سپہ تیری سپہ دیکھی ہے
قل ہو اللہ کی شمشیر سے خالی ہیں نیام
آہ! اس راز سے واقف ہیں نہ ملا نہ فقیہہ
وحدت افکار کی' بے وحدت کردار ہے خام
قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا؟
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام

توحید چونکہ کوئی فروعی اور اختلافی مسئلہ نہیں (اگرچہ آج کل دیگر اساسی مسائل کی طرح اسے بھی غریب منبر کی خاطر' ایک دوسرے انداز میں اختلافی مسئلہ بنادیا گیا ہے) اس ضمن میں اقبال فرماتے ہی کہ ایک مسلمان معاشرے میں (اورظاہر ہے کہ ہمارا معاشرہ اس کا قبیل ہے) اس تصور کی خاطر خواہ تنقید وتشید کی جائے ۔علامہ مرحوم نے توحید کی برکات کے تابع فکر وعمل کے اتحاد کا درس دیا ہے وہ ہمارے لیے آج لمحہ فکر یہ فراہم کر رہا ہے۔افتراق اور نفاق نے ہمیں ایک بہت بڑے بحران سے دوچار کیا اور نفاق اور پراگندگی کا یہ دوردورہ اگر پورے طور پر ختم

نہ ہوا، تو خدا جانے ہمارا کیا حشر ہوگا؟ اقبال فرماتے ہیں کہ توحید کے عملی پہلو کو ہمارے نظام تعلیم کا جزو بنایا جائے اور نونہالان ملت کے ذہن میں یہ بات راسخ کر دی جائے کہ اتحاد و فکر و عمل کے بغیر ہم نہ معاشرے کی تعمیر نو کر سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی متحدہ تمدن کو قبول کرنے والی قوم بن سکتے ہیں اگر ملکی سطح پر ہم بے عملی اور عدم یگانگت کا شکار رہیں تو بین الاقوامی طور پر ہمارا وقار کیونکر بلند ہوگا؟

زانکہ در تکبیر راز بود تست
حفظ و نشر لا الہ مقصود تست
می ندانی آیہ ام الکتاب
امت عادل ترا آمد خطاب؟
آب و تاب چہرہ ایام تو
در جہاں شاہد علی الاقوام تو
اینکہ در مدینہ پیچد یک نفس
سرے از اسرار توحید است و بس
یک شو و توحید را مشہود کن
غائبش را از عمل موجود کن (۴)

یہاں ضمناً معاشرے کی مناسبت سے فرد کا ذکر کر دیا جائے ۔ فرد اور معاشرے کی ذکر علم مدنیات میں ساتھ ساتھ ہوتا ہے اور اس تلازمے کے بارے میں علامہ کے بعض اشعار امثال سائرہ کا مقام حاصل کر چکے ہیں مثلاً:

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں
افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

فرد کے لیے اقبال نے خودی کا اور افراد یعنی مجموعی معاشرے کی خاطر' بے خودی' کا لائحہ عمل پیش کیا ہے۔ اقبال معاشرے کی تعمیر نو کی خاطر' صالح' با استعداد اور مصروف عمل افراد کے جواوصاف ہیں۔ انہیں اس مقصد کی خاطر نوجوانوں کو بار بار یاد دلاتے ہیں اور ان کی بڑی توقعات وابستہ رہی ہیں۔ نوجوانوں کو اقبال نے جاوید نامہ کے آخری حصے "سخنی بہ نژادنو" خاص طور پر اپنی ہر تصنیف میں عام طور پر مخاطب کیا ہے۔ وہ اللہ تعالی سے دعا فرماتے رہے کہ نوجوان ان کے پیغام سے خاص طور پر بہرہ مند ہوں۔

جوانوں کو سوز جگر بخش دے
میرا عشق میری نظر بخش دے
جوانوں کو مری آہ سحر دے
پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو مری یہی ہے
مرا نور بصیرت عام کر دے

اقبال ان نوجوانوں اور عام افراد کی اصلاح و تہذیب کے ذریعے ایک متحد

الفکراور متحد القوت معاشرہ قائم کرنا چاہتے تھے۔اس معاشرے میں فرد'

۴۔ اسرار و رموز'صفحہ ۶۲'۸۲'۱۹۴۳

نیابت خداوندی اور قربت الٰہی کا احساس پیدا کرتا ہے اور پورا ماحول ان کے درج ذیل دو شعروں کی تصویر بن جاتا ہے کہ

فرد از توحید لاہوتی شود
ملت از توحید جبروتی شود
اہل حق را حجت و دعویٰ یکی است
خیمہ ہائی ماجدا' دلہا یکی است (۵)

معاشرے میں اضطراب و بے چینی کی ایک اور وجہ سیاستی استبداد اور حریت کا عدم احساس ہے۔اقبال کے معاصر معاشرے کو غیر ملکی آمروں سے شکایت تھی۔ اقبال استبداد کی ہر صورت کے ملوکیت ہو یا آمریت بے حد خلاف تھے یہ صحیح ہے کہ انہوں نے مغرب کے جمہوری نظام پر سخت تنقید کی ہے۔اور وہ ایسے کسی قانون پر کلیتاً صاد نہیں کر سکتے تھے جو ان کے نظام فکر اور اسلامی معاشرے سے تطابق نہ رکھتا ہو۔وہ خوب سے خوب تر کے طالب تھے گو بادی النظر میں اقبال جمہوریت کے خلاف تھے مگر دراصل وہ اس جمہوریت کے خلاف تھے جو مغرب میں رائج ہے اس کا ایک سبب یہ ہے کہ اس میں بندے کو گننے کا عمل تو ہوتا ہے مگر تولنے کا نہیں

پھر آزادی افکار سے بے راہ روی پیدا ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

اس قوم میں ہے شوخی اندیشہ خطرناک
جس قوم کے افراد ہوں ہر بند سے آزاد
گو فکر خداداد سے روشن ہے زمانہ
آزادی افکار ہے ابلیس کی ایجاد
آزادی افکار سے ہے ان کی تباہی
رکھتے نہیں جو فکر و تدبر کا طریقہ
ہو فکر اگر خام تو آزادی افکار
انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ (۷)

سر فرانسس ینگ ھزبنڈ کے نام علامہ کا ایک مفصل خط جو ۳۰ جولائی ۱۹۳۰ء کے سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور میں چھپا بڑا معروف اور فکر انگیز ہے۔ ہمارے معاشرے کی تعمیر نو میں جمہوریت کی اہمیت سب پر واضح ہے اس ضمن میں علامہ مرحوم کے خط کا منقولہ ذیل اقتباس ہمارے معاشرے کے ہر طبقے ارباب اقتدار حزب اختلاف اور عام لوگوں کی خاطر لمحہ فکریہ اور تازیانہ فعالیت فراہم کرتا ہے۔ جمہوریت میں ایسی تمام خواہشات وشکایات

۵۔ جاوید نامہ صفحہ ۲۲۶

۶۔ بال جبریل

کو پھر سے ابھرنے کا موقع ملتا ہے۔جنہیں آمریت کے دور میں دبا دیا گیا تھا یا پورا نہ کیا گیا ہو۔

''جمہوریت ایسی آرزوؤں اور تمناؤں کی موجد ہوتی ہے جو بسا اوقات نا قابل عمل ہوتی ہیں اور اس کے ذریعے لوگ اپنے مسائل کے ایسے حل قبول کر لیتے ہیں جو معیاری نہیں ہوتے مگر حالات ان کے قبول کرنے کا تقاضا کرتے ہیں۔جمہوری طرز حکومت میں طرح طرح کی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن انسانی تجربہ شاہد ہے کہ کام کرنے والوں کی خاطر یہ دقتیں نا قابل حل نہیں رہتیں جمہوریت کے بارے میں میرا یہی اعتقاد ہے کہ اس کے ذریعے جملہ امور کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے''۔(۸) اقبال کے اس فرمان کی روشنی میں ہمیں چاہیے کہ جمہوریت کی اساسات کو راسخ تر کریں اور جمہوری اقتدار کی پامالی سے ہمارے معاشرے کو ماضی میں جو تلخ تجربات ہوئے ہیں ان کا اعادہ نہ کریں۔

علامہ اقبال نے سیاسی اور معاشی مسائل کا بالعموم ایک ساتھ ذکر کیا ہے سیاسی استحصال معاشی استبداد کا پیش خیمہ ہے اور اقبال کے محبوب ترک راہنما محمد سعید حلیم پاشا (م ۱۹۲۱ء) کی نظر میں دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں(۹) پاشا نے موصوف فرماتے ہیں کہ ایک استحصال کے ذریعے دوسرے کو کام میں لاتے ہیں۔سرمایہ داروں کا بھی یہی شیوہ ہے'وہ معاشی دباؤ کے ذریعے

سیاست میں دخیل ہوتے ہیں' اور اس ضمن میں پاکستان کے سیاسی اور معاشی حالات سب کے سامنے ہیں۔اقبال نے جہاں سیاسی حریت اور جمہوری آزادی کا پیغام دیا ہے وہاں آپ نے معاشی مساوات عدم استحصال اور اسلام کے اقتصادی نظام کی تنقید اور تعدیل کی خاطر مفید مشورے دیے ہیں۔البتہ یہ امر افسوس ناک ہے کہ یوم اقبال کا اہتمام کرنے والے بعض سرمایہ دار اپنے ہم مذہب وہم وطن افراد کا استعمار کرنے سے باز نہیں آتے حالانکہ ان کی اقبال دوستی کا پہلا تقاضا یہی تھا کہ غریبوں کے استحصال کو ترک کر سکتے!

یہ نکتہ قابل ذکر ہے کہ اقبال کو معاشیات سے خاطر خواہ دلچسپی تھی۔ان کی پہلی منظم تصنیف "علم الاقتصاد" ہے جو ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی تھی۔یہ کتاب پروفیسر مارشل کے معاشی نظریات سے کسی قدر ہم آہنگ ہونے کے باوجود اقبال کی جدت فکر کی غماز ہے۔برصغیر کے معاشی حالات مسئلہ آبادی اور خاندانی منصوبہ بندی کے مطالعہ کی خاطر یہ کتاب اب بھی سودمند ہے۔۱۹۰۵ء تا ۱۹۱۸ء میں علامہ موصوف انگلستان اور جرمنی میں قیام پذیر تھے۔آپ کا موضوع مطالعہ اور تحقیق فلسفہ اور قانون تھا۔اس کے باوجود

۸۔ صرف اقبال' مطبوعہ لاہور' صفحہ ۱۷

۹۔ دیکھیے میرا مقالہ' ماہنامہ المعارف' لاہور' جولائی ۱۹۷۱ء

آپ معاشیات کے دروس میں شامل ہوتے رہے اور یہ امر بھی علم الاقتصاد سے آپ کی دلچسپی کا مظہر ہے۔اس گزارش سے مدعا یہ ہے کہ معاشی مسائل پر اقبال کا اظہار نظر قیاسیات پر مبنی نہیں اس کے پیچھے ایک حد تک مہارت فن بھی پوشیدہ ہے۔

اقبال سرمایہ دارانہ نظام سے بے انتہا متنفر تھے۔اس خاطر کہ اس نظام کی بنیاد ہی کمزوروں کے استحصال پر رکھی گئی تھی۔آپ سوچتے تھے کہ کبھی برصغیر میں اسلامی معاشرہ قائم ہو۔تو نظام اسلام کے تقاضوں کے مطابق مسلمان معاشی طور پر خوشحال رہ سکیں۔تاسیس پاکستان سے ان کا مقصد قانون اسلامی کی تنقید تھی تا کہ دیگر امور کے علاوہ مسلمان معاشی عدل و انصاف سے بہرہ مند ہوسکیں۔قائداعظم محمد علی جناح کے نام اپنے مکتوب مورخہ ۲۸ مئی ۱۹۳۷ء میں اقبلا نے یہی بات لکھی کہ ایک جداگانہ مملکت کا قیام اس لیے بھی ضروری ہے کہ مسلمان معاشی طور پر اپنے پاؤں پر کھڑے ہوسکیں اور کوئی انکا استعمار نہ کرسکے

علامہ کی زندگی کے دوران روس سے سرمایہ کاری کے خلاف ایک موثر آواز اٹھی (ظاہر ہے کہ بعد میں یہ آواز موثر ہوتی گئی) یہ آواز جسے بالشویزم کمیونزم اور دوسرے نام بھی دیے جاسکتے ہیں مگر چونکہ معاشہ مساوات کی یہ صدا اسلام کے فلسفہ عدل سے اثر پذیر نظر آتی تھی اس خاطر علامہ نے اس میں دلچسپی لی۔اقبال کی وسیع النظری کو بعض سطح بین ان کی تضاد بیانی قرار دیتے ہیں۔بات بالکل واضح ہے کہ اقبال کو روسیوں کی معاشی مساوات پسند تھی مگر ان کی لادینیت اور دھریت

ناپسند تھی۔ آپ کے اس قسم کے ملے جلے جذبات کی عکاسی جاوید نامہ اور ضرب کلیم میں دیکھی جا سکتی ہے اس آخری کتاب کی نظم اشتراکیت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

قوموں کی رش سے مجھے یوں ہوتا ہے معلوم
بے سود نہیں روس کی یہ گرمی رفتار
انسان کی ہوس نے جنہیں رکھا تھا چھپا کر
کھلتے نظر آتے ہیں بتدریج وہ اسرار
قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان
اللہ کرے تجھ کر عطا جدت کردار
جو صرف قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار(۱۰)

جاوید نامہ اور پس چہ باید کرد میں آپ نے اس بات کی قوی امید ظاہر کی

۱۰۔ ضرب کلیم صفحہ۱۳۸)

ہے کہ اہل روسی منزل لا سے نکل کر وادی الا میں آ جائیں گے ایک مقام پر تو ملت روسیہ کو اپنی عاقبت کی فکر کرنے کی بھی آپ نے تلقین کی ہے۔

کردہ ای کار خداوندان تمام

بگذر از لا جانب الا خرام
در گزر از لا اگر جوینده ای
تارہ اثبات گیری زندہ ای
چیست قرآن؟ خواجہ را پیغام مرگ
دستگیر بندہ بی ساز و برگ
ہیچ خیر از مردک زر کش مجو
لن تنالو البرحتیٰ

سر فرانسس ینگ ہنر بینڈ کے نام علامہ موصوف کے مکتوب کا ذکر ہو چکا اس میں بھی آپ نے اس امید کا اظہار کرتے ہیں کہ اگر روسی اختراع خدا کو اپنا شعار بنا لیں تو ان کا معاشی نظام اسلام سے اقرب ہو جائے گا۔ اس گزارش سے عیاں ہو جاتا ہے کہ علامہ اقبال کے نظام افکار میں معاشی عدل و انصاف کی نہایت اہمیت ہے۔ آپ غریبوں، مسکینوں، مفلوک الحالوں اور مظلوموں کے بے انتہا حامی تھے اور فرماتے ہیں:

بجلال تو کہ درد دل دگر آرزو ندارم
بجز ایں دعا کہ بخشی بکبوتراں عقابی (۱۱)
نیز: اٹھا ساقیہ پردہ اس ساز سے
لڑا دے ممولے کو شہباز سے

ہمارے معاشرے کی تعمیر نو کی خاطر کامل اتحاد کی ضرورت ہے تاکہ ہمارا قومی

اور دینی وجود مشخص اور معین ہو سکے۔اس کے ساتھ نوجوانوں کی مناسب تربیت' سیاسی آزادی اور معاشی عدم مساوات کی بغایت ضرورت ہے۔اگر ہم نے مخلصانہ ان خطوط پر معاشرے کی تعمیر نو کی کوشش کی تو ہمیں خدائے تعالیٰ کی فتح و نصرت نصیب ہو گی۔موجودہ اوضاع و احوال میں روح اقبال گویا ہمارے معاشرے سے مخاطب ہے:

تیرے دریا میں طوفان کیوں نہیں ہے؟
خودی تیری مسلمان کیوں نہیں ہے؟
عبث ہے' شکوہ تقدیر یزداں
تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے؟ (۱۲)

۱۱۔ زبور عجم صفحہ ۵۷

۱۲۔ ارمغان حجاز صفحہ ۲۵۴